بیت المقدس آپ کو
پکار رہا ہے

ڈاکٹر صلاح سلطان
مستشار دینی۔مملکت بحرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

’’ہمارے لئے مناسب ہے کہ فتح و کامرانی کے مہینے رمضان المبارک میں مسجد اقصیٰ بیت المقدس اور فلسطین کو اسلام و مسلمان کی تحویل میں لانے کے لئے سرگرم عمل ہوں، شروع میں رم جھم بارش ہوتی ہے پھر موسلا دھار، خواب حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے، جب دل صاف وشفاف، عقل بیدار اور روح بزدلی و کاہلی سے دور ہمت وحوصلہ سے بھرپور ہو، ان صفات کے حاملین افراد روح کی زبردست تحریک، دل کے ایمانی تزکیہ اور عقل کی مضبوط فکری طاقتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تاریخ ساز کام انجام دیتے ہیں۔

تو پھر تاخیر کس بات کی!

اے ثابت قدم روزہ دارو! آؤ ہم اپنی کوششوں کا آغاز کرتے ہیں۔‘‘

بیت المقدس آپ کو آواز دے رہا ہے

دو نہایت تکلیف دہ واقعات سے میں اپنی بات کا آغاز کرتا ہوں:

۱- نائن الیون کے حادثہ کے باوجود امریکا میں موجود فلسطینیوں کی یونین نے دسمبر ۲۰۰۱ء میں بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے موضوع پر اپنے عظیم الشان سالانہ کانفرنس کے تسلسل کو باقی رکھنے کا فیصلہ کیا، ہر سال آنے والے بہت سے مقالہ نگاروں اور دوسرے افراد کو دعوت نامے بھیجے گئے لیکن خدا کی ناراضگی کے سبب نہیں بلکہ امریکا کی خفگی کے ڈر کے مارے کافی لوگوں نے شرکت سے معذرت کر دی، جب یونین کے ذمہ دار نے اس بے رخی ولا پرواہی پر افسوس کرتے ہوئے مجھے اس کی اطلاع دی تو میں نے ان سے کہا: گرچہ میں سویڈن کے اسلامی کانفرنس میں مدعو ہوں، ٹکٹ بھی لے لیا ہے، لیکن میں قدس کی آواز پر لبیک کہوں گا کیونکہ میرے لئے یہ زیادہ اہم ہے، خصوصاً ایسے نازک حالات میں جبکہ ان ہی لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، جو یونین کے ارکان سے اصرار کر رہے تھے کہ کانفرنس میں انہیں اپنی بات رکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

۲- میں نے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بارہا جمعہ کی نماز ادا کی اور اپنے ائمہ کرام کے رویہ پر اللہ تبارک وتعالی سے معذرت کرتا ہوا وہاں سے اشک بار نکلا، وجہ یہ ہے کہ ہمارے بعض مقررین بادشاہ سلامت کے حق میں دعا کرنا نہیں بھولتے (اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے) مگر وہ تیسری مسجد حرام، قبلہ اول اور جن وانس کے سردار کی معراج کی ایک منزل کو دعا میں فراموش کر دیتے ہیں حالانکہ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ حرمین

شریفین میں خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا کی جائے کیونکہ پوری دنیا کے کڑوروں مسلمان چاہتے ہیں کہ اسے ایک مسئلہ تصور کیا جائے اور اسے حل کرنے کی کوشش کی جائے اگر چہ امت مسلمہ کے وجدان سے وہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

یوں تو باتیں بہت سی ہیں مگر اللہ تعالی کو گواہ بنا کر قدس کے تعلق سے مسلمانوں کی لاپرواہی، ان سے چند سوالات اور ذمہ داریوں کی بابت کچھ اہم گوشے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیت المقدس کی بازیابی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے اور کس پر نہیں؟

دوسرے لوگوں سے پہلے علماء، ائمہ، داعیوں اور مفکروں پر بیت المقدس کی ذمہ داری ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ فلسطین، بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور باشندگان فلسطین کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کا جواب عالم عرب و عالم اسلام کے حکام و ذمہ داران سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ائمہ، مفکروں اور داعیوں کو دینا ہوگا کیونکہ قرآن و اقتدار کے مابین فاصلہ پیدا ہو چکا ہے جبکہ اس سے قبل دین خدا کی غیرت وحمیت رکھنے والے، پاسداران حدیث اور حاملین قرآن علمائے کرام، خلیفہ، امراء اور والیان مملکت ہوا کرتے تھے لیکن زمانہ بدل چکا ہے، اب یہ ذمہ داری صرف ائمہ کرام اور دعاۃ و مفکرین کے کندھے پر آ گئی ہے، لیکن میں پیار و محبت کی زبان میں خود سے اور اس جماعت سے جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے نصوص و حقائق کے افہام و تفہیم کے لئے مخصوص فرمایا ہے، پوچھتا ہوں کہ ہم غاصب صہیونیوں سے مقابلہ کرنے، قیدیوں اور بیت المقدس کو آزاد کرانے اور اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد میں کیا رول ادا کر رہے ہیں؟

اپنے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں علماء، ائمہ اور خطباء موجود ہیں، ان میں کتنے لوگ

ہیں جو اپنی تقریروں اور پند و وعظ کے ذریعہ اس جمود و تعطل کو ختم کرنے کی جد جہد کرتے ہیں۔

ہر جماعت و مسلک اور تنظیم و تحریک کے لاکھوں داعی، واعظ و خطیب و مقرر اس امت میں پائے جاتے ہیں، ان میں کتنے ہیں جو ٹی وی چینلوں، انٹرنیٹ، مقالوں، کانفرنسوں اور مجلسوں میں اپنے دعوتی خطاب کے توسط سے بیت المقدس اور فلسطین کے مسئلے کو حل کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں؟

اس امت میں لکھنے والوں کی بھی کوئی کمی نہیں، ان کی تحریریں، روزناچوں، کتابوں وغیرہ میں صبح و شام دینی تہواروں، قومی تقریبات کے موقع پر شائع ہوتی رہتی ہیں، یہ حضرات بیت المقدس کے مسئلے پر کتنا لکھتے ہیں؟

میں جس طرح ظالم و جابر امن دشمن یہودیوں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈالنے کے لئے مسلم حکمرانوں اور تنظیموں کو مجرم گردانتا ہوں، اسی طرح عام مسلمانوں کو فلسطین، بیت المقدس اور مسجد اقصی کی آزادی کی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا بلکہ میں تو پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ تنظیموں اور قوموں کی لاپرواہی اور عدم دلچسپی اسی وقت سامنے آتی ہے جب ان میں سے ائمہ، داعیوں اور مفکروں کا کریم طبقہ اپنا رول ادا نہیں کرتا، چنانچہ بطور خاص اس جماعت کی خدمت میں چند سوالات عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، امید ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں میری بات اتر جائے گی، اور جن لوگوں نے اس فانی دنیا ہی کو اپنی جد و جہد کا محور بنالیا ہے، ان کی فہم و فراست کو مہمیز کر سکے گی، جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

ذلت و رسوائی کے ساتھ آب حیات بھی پینا مجھے گوارا نہیں
البتہ عزت واکرام کے ساتھ چاہو تو زہر بھی پلا سکتے ہو

ان میں سے کچھ اہم سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کیا امن کے سمجھوتوں نے جہاد کی آیتوں کو منسوخ کر دیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے کہ ہم جہری اور جمعہ کی نمازوں میں ان آیتوں کو امام کو تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنتے ہیں جو جہاد، بنی اسرائیل، ان کے بگاڑ اور پوری دنیا میں ان کے فساد مچانے سے متعلق ہیں حالانکہ آپ امن سمجھوتوں سے قبل ان آیتوں کی بار بار تلاوت کرتے تھے، ہم نے ان آیتوں کو آپ ہی لوگوں سے سن کر سیکھا ہے: ''بنی اسرائیل کے کافروں پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسی ابن مریم (علیہ السلام) کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے'' (مائدہ:۷۸)

۲- ہم اللہ تبارک وتعالی کو اس آیت کے متعلق کیا جواب دیں گے'' اور اللہ تبارک وتعالی نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں تو پھر ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا'' (آل عمران:۱۸۷) قرآن کریم کی پچاس آیتوں میں بنی اسرائیل کا ذکر آیا ہے، پھر تقریروں، تحریروں اور درسوں میں ان آیتوں کی طرف اشارہ بھی کیوں نہیں کیا جاتا۔

۳- یہودی فریب کاری سے عدم توجہی کے متعلق ہم اللہ تبارک وتعالی کو کیا جواب دیں گے جسے ہم یہودیوں کی تحریف شدہ کتاب تلمود کے ذریعہ اچھی طرح جانتے ہیں اور جسے زبان وفزکس کی طرح نرسری اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے مگر ہم نے اپنے نصابیات سے آیات جہاد کو حذف کر دیا جبکہ قابض وغاصب یہودی ہر مرحلے میں تلمود کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔

۴- امت کے دردمند افراد، مفکرین اور علماء کرام، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ یا کسی بھی اسلامی مملکت کے صدر مقام میں کانفرنس منعقد کیوں نہیں کرتے تا کہ وہ احمق صہیونیوں کی کانفرنس کا مقابلہ کرسکیں جو ۱۹۹۷ء میں منعقد ہوئی تھی جس میں عرب و مسلمان کی تذلیل اور فلسطین کو غصب کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا اور جس نے حقیقت کا روپ بھی دھار لیا ہے، جبکہ ہم امن سمجھوتوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، ہماری زبانوں پر ان کے چرچے ہیں، اخبار و جرائد کے صفحات ان کی حمایت میں ہماری تحریروں سے مزین رہتے ہیں، ہم ہوٹلوں کی طرف لپکتے ہیں تا کہ دنیا کو باور کراسکیں کہ ہم بھی امن کے داعی اور حیات باہم کے حامی ہیں، خواہ ہمیں ذلیل ورسوا ہونا پڑے، بیت المقدس و فلسطین ہمارے ہاتھ سے نکل جائے، یہودیوں کی تمام حرکتوں کے باوجود ہم ان سے امن کی گہار و پکار لگاتے ہیں، ان کے امریکی اور یورپین حامیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم و ستم میں کمی کی جائے۔

۵- ہم اس حقیقت کو آشکار کیوں نہیں کرتے کہ بیت المقدس کو یہودیوں کی طرف سے انہدام کا خطرہ لاحق ہے، لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی اپنے گھر بار چھوڑ کر پناہ گزینی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، قرآن پاک نے قتل اور جلاوطنی کو مساوی قرار دیا ہے، غاصب یہودیوں نے فلسطین کی 90% فیصد آراضی پر قبضہ کرلیا ہے اور فلسطین کے باشندے اپنے دشمنوں کی نگرانی میں غیر محفوظ و بنجر علاقے میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

۶- علماء کرام، ائمہ عظام اور دعاۃ و مفکرین حضرات! آپ اللہ تبارک و تعالی کو فلسطینی بھائی بہنوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے قتل عام کے متعلق کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ بھول رہے ہیں کہ اللہ کی نگاہ میں ایک مومن کعبہ سے زیادہ محترم ہے، یہودیوں کے قید خانوں میں دسیوں ہزار فلسطینی قیدیوں کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ امام مالک کے

بقول: ”ہمارے دشمن کے پاس اگر ایک بھی مسلمان قیدی ہو تو اس کا فدیہ دینا واجب ہے، اگرچہ مسلمانوں کی پوری دولت اس میں صرف ہو جائے“، اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اگر ایک یہودی قید کیا جاتا ہے تو ساری دنیا اس کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے، کیا ہمارے لئے شرم کی بات نہیں کہ فلسطینی قیدیوں کی اتنی بڑی تعداد کو ہم بالکلیہ فراموش کردیں؟

۷- کیا ہم میں سے کسی بھی باہوش وعزت دار انسان کے لئے ممکن ہے کہ قرآن کی ان آیتوں کو پڑھے ”پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندے کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا جس کے پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے“ (الاسراء:۱)، ”یہ ایسی سرزمین ہے جس میں ہم نے سارے جہاں کے لئے برکت رکھی ہے“ اور خود سے سوال نہ کرنا کہ ہم نے مقبوضہ بیت المقدس اور زخمی مسجد اقصی کے لئے کیا کیا؟

خدا کے کلام میں تدبر و تفکر کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب مندرجہ ذیل تجاویز میں مضمر ہے

اہم بات یہ ہے کہ عملا انجام دئے جانے والے کام کیا ہو سکتے ہیں؟

۱- بیت المقدس کے مسئلے کو تقریر وتحریر، اخبار رسائل، ٹی وی چینلز، انٹرنیٹ اور دوسرے تمام ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس قدر عام کر دیا جائے کہ خاص تو کیا عام انسانوں کے شعور کا وہ ایک حصہ بن جائے بلکہ ہم اتنے وسیع پیمانے پر کام کریں کہ یہودی بھی ہم سے پیچھے رہ جائیں جس طرح قرآن و حدیث، تاریخ و واقعات کی دنیا میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

۲- بیت المقدس کے شعائر کو پرچم کی طرح اپنے اپنے گھروں میں نصب کریں۔

۳- بیت المقدس و فلسطین کی آزادی کی خاطر جو قربانیاں دی گئی ہیں اس سے کہیں بڑے پیمانے پر قربانیاں پیش کرنے کا ماحول تیار کیا جائے۔

۴- فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے تئیں ذمہ داری کے جذبے کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا جائے اور بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کے لئے ان کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے مختلف پروگرام ترتیب دئے جائیں تاکہ مسئلہ فلسطین سبھی مسلمانوں کے شعور و وجدان کا ایک حصہ بن جائے۔

۵- تمام فرزندان اسلام سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہر رمضان میں ایک دن کسی معمولی چیز سے افطار کریں اور اس دن کے افطار کے سامان کی قیمت بیت المقدس و مسجد اقصی اور فلسطین کے پاسبان محصور بھائیوں کو بطور امداد پیش کی جائے۔

۶- مفکرین و فقہاء کرام سے میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ نصوص پر غور و فکر کے نتیجے میں کوئی ایسی صورت نکالیں جس کے سبب مسلمان بیت المقدس، مسجد اقصی اور فلسطین کے مسئلے کو سنجیدگی سے لیں، مثلاً اس امر پر علماء کرام اور فقہاء عظام غور کر سکتے ہیں کہ کیا مسجد اقصی کی آزادی تک نفلی حج و عمرہ کے موقوف ہونے کا فتوی دیا جا سکتا ہے؟'' اس لئے کہ حج ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی زندگی میں کبھی بھی ہو سکتی ہے جبکہ بیت المقدس کو آزاد کرانا فوری طور پر واجب ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ڈاکٹر مرتے انسان کی جان بچانے کے لئے اپنی نماز غیر متعینہ مدت کے لئے مؤخر کر سکتا ہے، مزید یہ کہ حج و عمرہ کی تکرار نفل ہے جس پر یہ اصول صادق آتا ہے'' اللہ تبارک وتعالی فرائض کی عدم ادائیگی کی

صورت میں نوافل کو قبول نہیں فرماتا۔

میں چاہتا ہوں کہ ائمہ،شیوخ اور مفکرین کی خدمت میں شاعر کا یہ قول پیش کروں:

اپنے ہاتھوں سے ایسا کوئی کام نہ کرو
جس کو قیامت کے دن دیکھ خوش نہ ہو سکو
یوں تو دلوں میں شجاعت وبہادری کی کوئی کمی نہیں
البتہ عقل کے ساتھ شجاعت و بہادری کم یاب ہے

دلوں میں جو کچھ موجزن ہے،عقلوں میں جو بات آرہی ہے، اسے ظاہر کردو تا کہ دنیا کو پتہ چل جائے اور ہم اس قدر متحرک ہو جائیں کہ محکومیت کی کھائی سے اٹھ کر قیادت کے لائق بن جائیں۔